کلمہ طیبہ کی حقیقت

مولانا محمد منظور نعمانی

کلمۂ طیبہ کی حقیقت

جس میں اسلام کے کلمۂ دعوت

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

کے دونوں جزو (توحیدِ الٰہی اور رسالتِ محمدی)

کی تشریح پوری تحقیق کیساتھ اور تا امکان مؤثر انداز میں کیگئی ہے،
اور اس کلمہ کی رُوح و حقیقت کو واضح کر کے تبلایا گیا ہے کہ
اپنے ماننے والوں سے اس کلمہ کا مطالبہ کیا ہے!

از
محمد منظور نعمانی

جملہ حقوق طباعت واشاعت پاکستان
میں بحق فضلِ ربّی ندوی محفوظ ہیں

کتابت
فیض الحسن قاسمی اعظمی
طباعت
شکیل پرنٹنگ پریس، آرام باغ، کراچی
ناشر
فضلِ ربّی ندوی
٭
قیمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلمۂ طیبہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

جزو اوّل ________ توحیدِ الٰہی

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

کوئی معبود نہیں (یعنی کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں) اللہ کے سوا

ملّتِ بیضا تن و جاں لا الٰہ ساز ما را پردہ گرداں لا الٰہ
لا الٰہ سرمایۂ اسرارِ ما رشتہ شیرازۂ افکارِ ما
حرفش از لب چوں بدل آید ہمی
زندگی را قوت افزاید ہمی

توحید، دین کی بنیاد اور ایمان کی جان ہے، اور اپنی اپنی امتوں کے لئے سب نبیوں کا پہلا پیغام ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ — اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی
مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ — رسُول مگر ہم وحی کرتے رہے اُس کی طرف کہ
اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا — کوئی عبادت کے لائق نہیں میرے سوا
فَاعْبُدُوْنِ۔ (انبیاء ع ۲) — پس میری ہی عبادت اور بندگی کرو۔

اور اس توحید کے ماننے نہ ماننے اور اس کے مطابق چلنے نہ چلنے ہی پر انسان کی سعادت و شقاوت اور نجات و ہلاکت کا مدار ہے ـــــ صحیح مسلم میں ہے، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا۔

ثِنْتَانِ مُوْجِبَتَانِ — دو چیزیں ہیں جو واجب کر دیتی ہیں

کسی نے عرض کیا: "یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْمُوْجِبَتَانِ" حضرت کون دو چیزیں ہیں واجب کر دینے والی؟ ـــــ حضور نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ — جو شخص اللہ کیساتھ کسی چیز کو شریک کرتا
بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ — ہوا (یعنی کسی طرح کا شرک کرتا ہوا)
وَمَنْ مَاتَ لَايُشْرِكُ — مَرا وہ دوزخ میں جائے گا، اور جو ایسے
بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ — حال میں مرا کہ اللہ کیساتھ کسی چیز کو شریک
(مسلم) — نہیں کرتا تھا (یعنی شرک سے پاک اور موحد تھا) تو وہ جنت میں جائے گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

إِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ	بیشک اللہ کا خاص حق اپنے بندوں پر
يَعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا	یہ ہے کہ وہ اسکی عبادت کریں اور اسکے
وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ أَنْ لَا	ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور بندوں
يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهٖ	کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ اُن لوگوں کو
شَيْئًا (بخاری و مسلم)	عذاب میں نہ ڈالے جو شرک نہ کرتے ہوں۔

ایک اور حدیث میں ہے، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلٰهَ	جو کوئی بندہ "لا الٰہ الا اللہ" کا قول کرلے
إِلَّا اللهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰى	(یعنی توحید کو اپنا دین بنالے اور اس پر
ذٰلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ	قائم ہو جائے) اور پھر اسی حال پر مر جائے
(بخاری و مسلم)	تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ جنت میں نہ جائے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت ابُوہریرہ رضؓ سے ارشاد فرمایا، کہ:۔ جاؤ! اور جو ایسا آدمی ملے، کہ

يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ	وہ دل کے یقین کیساتھ "لا الٰہ الا اللہ"
مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ فَبَشِّرْهُ	کی گواہی دیتا ہو، اُس کو میری طرف سے
بِالْجَنَّةِ۔ (مسلم)	جنت کی بشارت سنادو۔

اِسی طرح حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهٗ	جو کوئی اس حال میں دنیا سے گیا کہ وہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (مسلم)

"لا الٰہ الا اللہ" پر یقین و اعتماد رکھتا تھا، تو وہ جنت میں جائے گا۔

اور حضرت معاذؓ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا۔

مَفَاتِيحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (رواہ احمد)

کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت جنت کی کنجی ہے۔

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے، کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

مَا نَجَاةُ هٰذَا الْاَمْرِ؟ فَقَالَ مَنْ قَبِلَ مِنِّي الْكَلِمَةَ الَّتِي عَرَضْتُهَا عَلٰى عَمِّي فَرَدَّهَا فَهِيَ لَهُ نَجَاةٌ۔ (رواہ احمد)

اس دین میں نجات کا خاص نقطہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا، جس نے میرا لایا ہوا وہ کلمہ (لا الٰہ الا اللہ) میری دعوت پر قبول کر لیا جو میں نے اپنے چچا ابوطالب پر ان کے آخری وقت میں) پیش کیا تھا اور انہوں نے اس کو نہ مانا، تو وہی کلمہ ماننے والے کے لئے اصلی نقطہ نجات ہے۔

لیکن اِن حدیثوں کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ بس "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہنے اور توحید کا اقرار کر لینے ہی سے ہم نجات کے مستحق اور جنت کے ٹھیکہ دار ہو گئے، بلکہ اِن احادیث کا مطلب صرف یہ ہے کہ نجات کی سب سے بڑی اور پہلی شرط یہ توحید ہے اور اس کے بغیر نجات قطعًا ناممکن ہے، تو جس نے اس دعوتِ توحید کو قبول کر لیا اُس نے نجات کی یہ بڑی شرط پوری کر دی اور شرک کی وجہ سے نجات اور جنت

کا دروازہ جو اس کے لئے قطعی بند تھا، وہ اب توحید کو اختیار کرلینے کی وجہ سے کُھل گیا، ہے اس کے علاوہ اور شرائط، مثلاً ایمان بالرسول، ایمان بالیوم الآخر اور دین کے اہم مطالبات مثلاً صلوٰۃ زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی، تو ان کا معاملہ بجائے خود ہے، اور قرآن و حدیث میں اپنے موقع پر ان شرائط کو بھی پوری وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اور دوسرے طور پر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ "لاالٰہ الا اللہ" کو قبول کرلینا اور توحید کو اختیار کرلینا درحقیقت پورے دین کو قبول کرلینے اور اختیار کرلینے کا ایک عنوان ہے، اور اس لئے ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جس نے "لاالٰہ الا اللہ" کو قبول کرلیا یعنی جس نے اُس پورے دین کو اختیار کرلیا جس کی اصل و اساس اور جزِ بنیاد "لاالٰہ الا اللہ" ہے تو وہ ضرور جنت میں جائے گا۔

بہرحال مندرجۂ بالا تمام حدیثوں میں (اور ان کے علاوہ بھی اور بہت سے نصوص میں) بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ نجات کا اصل دار و مدار توحید پر یعنی "لاالٰہ الا اللہ" کے پیغام کو قبول کرلینے اور اس کو اپنا اصول زندگی بنا لینے پر ہے۔

توحید کی حقیقت اور "لاالٰہ الا اللہ" کا مطلب

لیکن اس توحید کی حقیقت اور اس "لاالٰہ الا اللہ" کا مطلب سمجھنے کے لئے سب سے پہلے یہ ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ جہاں تک خدا کی ذات اور اس کی صفت خلق و ایجاد اور

اور تدبیرِ عالم (یعنی دنیا کے پیدا کرنے اور اس کارخانۂ عالم کو چلانے) کا تعلق ہے تو عرب کے وہ مشرک بھی جن کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے توحید کا پیغام پیش کیا، وہ بھی اس حیثیت سے خدا کو "وحدہٗ لاشریک" مانتے تھے یعنی اپنا عقیدہ، وہ یہی ظاہر کرتے تھے کہ اللہ جو اس دنیا کا پیدا کرنے والا ہے وہ اپنی ذات میں بالکل اکیلا اور لاشریک ہے، اُسی نے زمین و آسمان اور اس سارے سنسار کو پیدا کیا ہے اور وہی دنیا کے اِس پورے کارخانہ کو چلا رہا ہے، قرآن مجید میں مشرکین عرب کا یہ اقرار اور اعتقاد جا بجا نقل کیا گیا ہے۔

(سورۂ یونس ع ۴، سورۂ مومنون ع ۵، سورۂ عنکبوت ع ۶)

مشرکینِ عرب کا شرک اور دعوتِ توحید کا ان سے مطالبہ

مگر اس کے باوجود چونکہ وہ عبادت[1] میں جو صرف اللہ کے لئے ہونی چاہیئے، اپنے دیوتاؤں اور فرضی معبودوں کو بھی شریک کرتے تھے اور اُن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہوئے اپنی خاص حاجات اور مشکلات میں اُن سے دعائیں کرتے اور مدد مانگتے تھے، اسلئے مشرک قرار دیئے گئے[2]۔ بہرحال عرب جاہلیت کی تاریخ اور قرآن شریف کی صدہا

---

[1] عبادت سے مراد یہاں انسانوں کے وہ خاص اعمال ہیں جو کسی ہستی کو الٰہ و معبود اور نفع و ضرر کا مالک و مختار سمجھ کر اُس کے سامنے اپنی گرویدگی اور محتاجی و نیازمندی اور ذلت و پستی کے اظہار (بقیہ صفحہ ۹ پر)

آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا بڑا شرک بھی دو طرح کا شرک تھا (یعنی ایک شرک فی العبادت اور دوسرا شرک فی الاستعانت) پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے "لا الٰہ الا اللہ" کا جو پیغام ان کے سامنے پیش کیا، اس کا اولین مطالبہ ان سے یہی تھا کہ جس اللہ کو تم اس کی ذات میں اور اس دنیا کے پیدا کرنے اور

(صلا کا بقیہ حاشیہ) کے لئے اور اس کو راضی اور خوش کرنے کے لئے ہی کئے جاتے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، صدقہ، سجدہ، طواف، دعا، نذر و نیاز اور قربانی وغیرہ ــــــ اس قسم کا کوئی عمل اگر غیر اللہ کے لئے کیا جائے، تو اس کا کرنے والا قرآن پاک کی رو سے قطعاً مشرک ہے، اور دنیا کی اکثر مشرک قوموں میں یہی شرک رہا ہے، اور شرک فی العبادت اسی کو کہتے ہیں ــــــ اور انبیاء علیہم السلام کو زیادہ تر اسی شرک سے لڑنا پڑا ہے۔ ۱۲

؎ معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم اسباب میں جو تاثیریں اور خاصیتیں جن چیزوں میں رکھ دی ہیں، مثلاً آگ میں گرمی، پانی میں ٹھنڈک اور پیاس بجھانے کی خاصیت یا مثلاً تلوار میں کاٹنے کی صلاحیت تو ان چیزوں سے اِن مقاصد میں کام لینا ہرگز توحید کے منافی نہیں ہے بلکہ عین منشاء الٰہی ہے "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" (یعنی وہی اللہ ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے وہ سب کچھ جو زمین میں ہے) اور علیٰ ہذا اپنے جن بندوں کو جو مجازی طاقتیں اور قابلیتیں اِس عالم اسباب میں اللہ تعالیٰ نے عطا کر رکھی ہیں، مثلاً طاقتور کو اس قابل کر دیا کہ وہ کمزوروں کی مدد کر سکے، یا مثلاً بادشاہوں اور (بقیہ صلا پر)

چلانے میں وحدہٗ لاشریک سمجھتے ہو "عبادت و استعانت" کا تعلق بھی صرف اسی سے رکھو، اُس کے سوا کسی کی پوجا نہ کرو، کسی کو اپنا حاجت روا نہ سمجھو، اور اپنی حاجات و مشکلات میں اُس کے سوا کسی کو نہ پکارو، یہی آپ کی دعوتِ توحید کا اوّلیں مطالبہ تھا، اور اسی کو آپ اپنے دین کی بنیاد اور اصلُ الاساس کی

(صہ۹ کا بقیہ حاشیہ) اور حاکموں کو سلطنت و حکومت کی وہ قوت عطا فرمادی کہ وہ ظالم سے مظلوم کا انتقام لے سکیں، یا مثلاً طبیبوں اور ڈاکٹروں کو) یہ صلاحیت بخشدی کہ وہ بیماروں کا علاج کرسکیں، یا مثلاً ہر ایک کو اِس لائق بنادیا کہ وہ دوسروں کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرسکے، وغیرہ وغیرہ، تو سلسلۂ اسباب و مسبّبات کے ماتحت ان لوگوں سے ان امور میں مدد لینا جیسا کہ دنیا میں عام طور سے رائج ہے ہرگز شرک نہیں ہے، بلکہ مقامِ توکل کے بھی خلاف نہیں ہے۔ بہرحال غیر اللہ سے وہی استعانت (مدد مانگنا) شرک ہے جو اللہ کے قائم کئے ہوئے اِس سلسلۂ اسباب و مسبّبات سے بالاتر کسی ہستی کو نفع و ضرر کا مالک مختار اور فاعل بالاختیار سمجھ کر کی جائے، جیسا کہ بُت پرست اپنے بتوں اور دیوتاؤں سے اور بہت سے جاہل اور ناخداشناس آدمی ارواحِ خبیثہ اور جنّات اور شیاطین سے اور بہت سے نام کے مسلمان اصلی یا فرضی ولیوں، شہیدوں سے اور ان کے مزارات سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں اور اپنے مقاصد کے لئے اُن سے دعائیں کرتے ہیں اور اسی مشرکانہ اعتقاد کی بناء پر اُن کی خوشنودی کیلئے نذر نیاز وغیرہ عبادات کرتے ہیں، سو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی مخلوق کے ساتھ جو کوئی (اگلے صفحہ پر)

حیثیت سے پیش کرتے تھے۔ سورۂ یونس کے آخری رکوع میں فرمایا گیا:۔

قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ	اے پیغمبر! ان لوگوں کے سامنے اعلان
فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَآ	کردو کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کے متعلق
اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ	کسی شک و شبہ میں ہو تو (سنو میرا طریقہ یہ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ	ہے کہ) میں نہیں عبادت کرتا اُن کی
اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ	جن کو تم پوجتے ہو، لیکن میں صرف اُس
وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ	اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تم کو اٹھا لیتا
الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَاَنْ اَقِمْ	ہے (یعنی جس کے قبضہ میں تمہاری موت و
وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا وَ	حیات ہے) اور مجھے حکم ہے کہ ہو جاؤں میں
لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ	ایمان والوں میں سے اور نیز مجھے حکم ہے کہ سیدھا
وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	کرے رُخ اپنا اس دین کیلئے (یعنی توحید
مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ	کیلئے) یکسو ہو کر اور مت ہو شرک

(ص۱۰ کا بقیہ حاشیہ) ایسا برتاؤ کرے اور ایسے امور میں اس سے مدد کا طالب ہو وہ بیشک مشرک ہے
—— حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں شرک
توحید کی بحث میں بڑی وضاحت سے "استعانت" کی ان دونوں قسموں کے فرق کو بیان کیا ہے
ہم نے یہاں جو کچھ لکھا ہے گویا اُسی کا خلاصہ ہے۔ ۱۲

فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا
مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنْ
يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا
كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ
وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا
رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ
مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ——
(یونس - ع - ۱۱)

کرنیوالوں میں سے، اور مت پکار اللہ کے
سوا کسی ایسے کو جو نہ تجھے کوئی نفع دے سکے،
اور نہ کچھ ضرر پہنچا سکے، اور اگر تو نے یہ کیا
تو پھر تو بھی ظالموں میں ہو جائے گا اور
اگر اللہ پہنچائے تجھے کوئی تکلیف تو کوئی
نہیں ہے اُسکو ہٹا سکنے والا اُسکے سوا،
اور اگر وہ چاہے تجھے کسی بھلائی سے نوازنا
تو پھر کوئی نہیں روکنے والا اُسکے فضل کو
پہنچا دے جسے چاہے اپنے بندوں میں سے
اور وہی بخشنے والا مہربان ہے

اسی طرح اور بھی بہت سی آیات ہیں "توحید فی العبادت" اور توحید فی الاستعانت کو ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

عبادت و استعانت کا باہمی لزوم

اور یہ عبادت و استعانت باہم کچھ لازم ملزوم سی بھی ہیں، مشرک لوگ کسی دیوتا کی پوجا عموماً اسی غلط فہمی کی بنیاد پر کرتے ہیں کہ اپنی حماقت سے وہ ان کو نفع و نقصان اور بناؤ بگاڑ کا مالک مختار اور حاجت روا و مشکل کشا سمجھنے لگتے ہیں

بہر حال نفع و ضرر کا عقیدہ ہی معبودانِ باطل کی پوجا کا سبب بنتا ہے[1]۔ اسی لئے قرآنِ مجید میں تعلیم توحید کے سلسلے میں بار بار اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ مشرک جن فرضی معبودوں کی پوجا کرتے ہیں، اُن کے قبضہ و اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ	(اے رسولؐ اِن مشرکوں سے) کہو اکہ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ	خدا کے سوا تم جن کو حاجت رَوا اور
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ	کارساز سمجھے ہوئے ہو اُن کو پکار دو وہ
وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ	ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے آسمانوں
فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ	میں اور نہ زمین میں اور نہ ان دونوں میں

---

[1] یہی وہ بلیغ اور اہم نکتہ ہے جس پر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خاص فاروقی شان کے ساتھ اس وقت تنبیہ فرمائی جب کہ حج کے موقع پر حجرِ اسود کو چومنے سے پہلے بآوازِ بلند آپ نے اپنے اس ایمان و یقین کا اعلان فرمایا۔

وَاَيْمُ اللّٰهِ اِنَّكَ حَجَرٌ وَّلَا تَنْفَعُ	اور قسم خدا کی تو بس ایک بے جان پتھر ہے
وَلَا تَضُرُّ ــــــــــــ	نہ ہمیں کوئی نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان
(صحیح بخاری)	دے سکتا ہے

انھیں لفظوں سے آپنے یہ بھی بتلا دیا کہ ہم حجرِ اسود کو جو ہمارے چومنے اور اس کی تعظیم کرتے ہیں اور بت پرستوں کے اپنے بتوں کے ساتھ طرزِ عمل میں کیا اصولی اور بنیادی فرق ہے ۔ ۱۲

مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيْرٍ۝ ۔۔	ان کی کوئی شرکت ہے، اور نہ ان میں
(سباء ع-۳)	سے کوئی خدا کا مددگار ہے ۔

- - - - - - - -

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ	کہو! تم پکار دیکھو اپنے اُن دیوتاؤں کو
مِنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ	جن کو خدا کے سوا تم اپنا کارساز سمجھ
كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ	ہوئے ہو، وہ نہ تو تم سے تکلیف دور کرنے
وَلَا تَحْوِيْلًا۝	کا اختیار رکھتے ہیں، اور نہ تکلیف
(بنی اسرائیل ع۱۰)	ٹال ہی سکتے ہیں ۔

اِن آیات اور اِن جیسی دوسری آیات میں اگرچہ بظاہر مشرکین کے معبودانِ باطل کی بے بسی اور عاجزی ظاہر کرکے صرف شرک فی الاستعانت کا رد کیا گیا ہے لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا چونکہ عبادت عموماً نفع وضرر ہی کے عقیدہ سے اور استعانت ہی کے راستہ سے پیدا ہوتی ہے ۔ اس لئے انہی آیات سے شرک فی العبادت کا بھی رد ہوتا ہے اور اسیطرح جن آیات میں براہِ راست صرف شرک فی العبادت کا رد کیا گیا ہے اس ہی لزوم کی وجہ سے انہی سے بالواسطہ شرک فی الاستعانت کا بھی رد ہو جاتا ہے ۔

بہر حال مشرکین عرب جو قرآن مجید کے پیغام توحید کے اولین مخاطب تھے، انکا بڑا اور اول درجہ کا شرک، یہی شرک فی العبادت اور شرک فی الاستعانت تھا، اور اس لئے "لا الٰہ الا اللہ" کے ذریعہ اُن کو جس توحید کا پیغام دیا گیا اُس کا اوّلین مطالبہ ان سے یہی تھا کہ وہ عبادت اور استعانت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک

نہ کریں، اور خود ہم سے بھی ہر نماز کی ہر رکعت میں اِسی کا اقرار ان لفظوں میں کرایا جاتا ہے:۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ — اے اللہ! ہم صرف تیری ہی عبادت
نَسْتَعِينُ ۔ — کرتے ہیں، اور تیری ہی عبادت کرینگے
اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگیں گے۔

توحید کا پہلا درجہ

بہر حال اللہ تعالیٰ کو ذات و صفات میں واحد و یکتا ماننے کے بعد عملی زندگی میں یہ "توحید فی العبادت" اور "توحید فی الاستعانت" توحید کا وہ ضروری اور اولیٰ درجہ ہے کہ اس پر ایمان لائے اور اس کو اختیار کئے بغیر کوئی شخص مسلمان ہی نہیں ہو سکتا، اور جو کوئی توحید کے اس درجہ سے بھی خالی ہاتھ گیا، اور ایسے حال میں مرا کہ وہ اللہ کی ذات و صفات یا عبادت و استعانت میں اللہ کے ساتھ ساتھ کسی اور کو بھی شریک کرتا تھا، تو اللہ نے جنت اُس پر حرام کر دی ہے۔

إِنَّهُ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ — بیشک جو شرک کرے گا اللہ کے ساتھ
حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ — تو حرام کر دی ہے اللہ نے اُس پر جنت
وَمَاوٰىهُ النَّارُ (المائدہ) — اور دوزخ ہی ہے اس کا ٹھکانہ۔

اور یہی وہ شرک عظیم ہے جس کو اللہ ہرگز نہیں بخشے گا۔

إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ	یقیناً اللہ نہیں بخشے گا شرک کو، اللہ
بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ	بخشدے گا اُس سے ورے کے گناہ
لِمَنْ يَّشَاءُ (النساء - ۱۰۵)	جسکے چاہے گا۔

توحید کے ثانوی مطالبے

پھر آدمی جب توحید کے اِس اوّلی اور ابتدائی مطالبہ کو پورا کردے اور یہ درجہ اسکو حاصل ہو جائے تو اس کے بعد اس کے کچھ اور بھی اہم مطالبے ہیں، جن کے بغیر توحید کامِل نہیں ہوتی، مثلاً یہ کہ وہ فیصلہ کرلے کہ مجھے صرف اللہ کے حکم پر چلنا ہے، اُسی کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا ہے، اُس کے حکم کے مقابلہ میں اپنے باپ دادا کے طریقے یا قومی رسم درواج یا حکومتِ وقت کے قانون یا دنیا والوں کی بنائے یا خود اپنی مصلحت اور جی کی خواہش کو یا دوسرے لوگوں کی پسند اور خوشی کو نہیں دیکھنا ہے، بلکہ اس کے حکم کے مقابلہ میں ان سب چیزوں کو پس پشت ڈال کر بس اسی کے حکم اور اس کی مرضی پر چلنا ہے، بہرحال تکمیل توحید کیلئے ضروری ہے کہ بندہ اپنی پوری زندگی میں یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ ہی کے حکم پر چلنے کا فیصلہ کرے، اور ہر حال میں اس کی اطاعت اور غلامی کو اپنا اصُول زندگی بنائے ــــ آیاتِ ذیل میں توحید کے اسی درجہ کا بیان ہے:-

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهٗ	کیا تم نے اُس کو دیکھا جس نے اپنی

هَوَاهُ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ	اپنی ہوا و ہوس کو اپنا معبود
هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ	بنالیا ہے، کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت
أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي	ہی سچی ہدایت ہے اور اگر تو نے
جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ	ان کی خواہشات (اور انکے من مانے
مِنَ اللّٰهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ	خیالات) کی پیروی کی، بعد اسکے
(بقرہ - ع ۱۴)	کہ آچکا تیرے پاس حقیقی علم تو نہیں

ہوگا تیرا کوئی حامی اور مددگار۔

قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى	کہدو! اللہ کی ہدایت ہی سچی ہدایت ہے
وَأُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ	اور ہم کو حکم ہے کہ ربُّ العالمین ہی کی
(الانعام - ع ۹)	فرمانبرداری کریں۔
اِتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم	پیروی کرو اُس کی جو تمہاری طرف
مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا	اُتارا گیا ہے تمہارے پروردگار کی
مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ	طرف سے، اور نہ پیروی کرو اسکے
(الاعراف - ع ۱)	سوا اور آقاؤں کی۔

اِن آیات کا مطالبہ ایمان والوں سے یہی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو صرف اللہ کی ہدایت کے تابع کردیں، اور زندگی کے ہر شعبہ میں بس اُنہی کے حکم پر چلیں۔ یقیناً بہت سوں کیلئے توحید کا یہ مطالبہ مشکل اور سخت ہے، لیکن کوئی شبہ نہیں کہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" ان سے یہ بھی

چاہتا ہے، اور اس کے بغیر اُن کا ایمان و اسلام کامل نہیں۔ ؎

چو می گویم مسلمانم بلرزم | کہ دانم مشکلاتِ لاالٰہ را

اِسی طرح توحید کا ایک تکمیلی مطالبہ ایمان والوں سے یہ بھی ہے کہ اسی کی قادر و قیوّم ذات پر وہ توکل و بھروسہ رکھیں، اور اسی کو اپنا حافظ و ناصر اور ملجا و ماوی سمجھیں، اسی سے خیر اور بھلائی کی امیدیں رکھیں، صرف اسی کے غضب اور قہر سے ڈریںلہ، اور اسی کی نصرت و اعانت کے اعتماد پر دنیا کی کسی بڑی سے بڑی طاقت کی بھی پروانہ کریں۔

وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ	اور نہیں ڈرتے ہیں وہ اللہ کے سوا
(سورۂ احزاب ع ۵)	کسی سے

موحد کہ در پائے ریزی زرش | و گر آرہ مے نہی بر سرش

امید و ہراسش نباشد ز کس | ہمین است بنیاد توحید و بس

لہ واضح رہے کہ غیر اللہ سے صرف وہی ڈرنا اس توحید کے منافی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی شان "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ" سے ناآشنائی یا کم اعتقادی کی وجہ سے ہو، جیسا کہ عام طور سے ضعیف الایمان لوگوں کا حال ہوتا ہے، ورنہ کسی خوفناک مخلوق مثلاً درندہ یا سانپ سے یا کسی بے درد اور ظالم حاکم وقت سے صرف طبعی طور پہ ڈرنا تو انسانی فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے، اور یہ توحید کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے بھی منافی نہیں ہے۔ ۱۲

الغرض یہ سب "لاالٰہ الا اللہ" کے اہم مطالبات میں سے ہے اور جس شخص میں جتنی کمی اس بارے میں رہے گی سمجھنا چاہئیے کہ اس کی توحید اتنی ہی ناقص اور ادھوری رہے گی، اور وہ اسی حساب شرک میں گرفتار رہے گا۔ اور جس میں یہ باتیں جتقدر کامل درجہ میں ہوں گی، اس کی توحید بھی اتنے ہی کامل درجہ کی ہوگی۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی مناسب ہوگا کہ مادہ پرست اور خدا فراموش یورپ میں ہیرو پرستی، قوم پرستی اور وطن پرستی کی قسم کی جو گمراہیاں پیدا ہوئی ہیں اور جس طرح ان کا ظہور ہو رہا ہے یہ سب بھی شرک ہی کی ذریات ہیں، اور اسلام "لاالٰہ الا اللہ" ہی کی ضرب سے ان نئے "معبودوں" کو بھی مٹانا چاہتا ہے۔

مثلاً اپنے قومی ہیروؤں کی مطلق اور غیر مشروط پیروی کرنا، انکے مجسّمے نصب کرانا اور ان کی تصویروں اور مجسّموں کے سامنے بھی تعظیم وعقیدت کے مظاہرے کرنا، سلامی دینا، سر جھکانا اور اُن پر ہار پھول چڑھانا، اور قومی و اجتماعی معاملات میں قانونِ الٰہی سے بے پروا ہو کر اپنے خدانا شناس لیڈروں کی پیروی کرنا، تو ہیرو پرستی اور لیڈر پرستی کی یہ سب صورتیں بھی "لاالٰہ الا اللہ" کے پیغام توحید کے قطعاً منافی ہیں؛ اور اسلام میں ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

علیٰ ہذا یورپ نے قوم اور وطن کو آج "آلٰہ" کی جو حیثیت دے رکھی

ہے اور جس طرح اس کی عظمت و تقدیس کے گیت گائے جاتے ہیں، اور اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے وطن کی سربلندی کو ان پرستارانِ قوم و وطن نے جس طرح "نصب العین" اور "مقصدِ حیات" کا درجہ دے رکھا ہے اور حق و باطل، صالح و فاسد سے قطع نظر کر کے قوم و وطن کی وفاداری کو جس طرح ایک "مستقل دین" بنا لیا گیا ہے (اور مسلمانوں میں بھی یہ سب گمراہیاں بڑی تیزی کے ساتھ سرایت کرتی جا رہی ہیں) تو یہ سب بھی اسلام کے نقطۂ نظر سے ایک طرح کا شرک ہی ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یورپ کے تراشے ہوئے یہ نئے بُت (ہیرو، قوم، وطن وغیرہ) ایک لحاظ سے پتھر کے پُرانے بتوں سے بھی زیادہ فتنہ انگیز ہیں، اقبال نے سچ کہا ہے۔ ؎

اس دَور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور — ساقی نے بنائی رَوِشِ لطف و کرم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور — تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اُس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اقبال ہی نے اِس بارے میں ایک دوسری جگہ کہا ہے، ؎

فکرِ انساں بُت پرستے بُت گرے — ہر زماں در جستجوئے پیکرے
باز طرحِ آزری انداخت است — تازہ تر پروردگارے ساخت است

کاید از خوں ریختن اندر طرب ‏ ‏ نام او رنگ ست ہم ملک و نسب
آدمیت کشتہ شد چوں گوسفند ‏ ‏ پیش پائے ایں بتِ ناارجمند
اے کہ خوردستی زمینائے خلیل ‏ ‏ گرمیِ خونت زصہبائے خلیل
بر سرِ ایں باطلِ حق پیرہن ‏ ‏ تیغ "لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا ھُو" بزن

توحید کا اعلیٰ درجہ

پھر اس سے بھی آگے توحید کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ہم صرف اللہ ہی سے لَو لگائیں اور اسی کو اپنا حقیقی محبوب اور مقصود و مطلوب بنائیں، پھر اس کے عشق و محبت میں ہم ایسے فنا ہوں کہ جو کچھ کریں صرف اسی کے لئے کریں، اور اس کی رضا کے سوا ہر چیز کی خواہش ہمارے قلب سے نکل جائے[1]، پھر ہمارا ہر عمل، صرف نماز یا روزہ ہی نہیں، بلکہ ہمارا کھانا اور پینا، سونا اور جاگنا، رونا اور ہنسنا، کسی سے خوش ہونا اور زیادہ جامع لفظوں میں ہمارا مرنا اور جینا سب اللہ کے لئے اور صرف اُسی کی رضا کے واسطے ہو، گویا کہ "مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" ہمارا حال ہو، اور ہمارے دل کی یہ پکار ہو سہ

---

[1] امام ربانی مجدد الف ثانی رح اپنے ایک مکتوب میں توحید کے اسی درجہ کے متعلق ارقام فرماتے ہیں،
"توحید عبارت از تخلیص قلب است از توجہ ما دون او سبحانہٗ تا زمانیکہ دل را
گرفتاری با ما سوا متحقق اگرچہ اقل قلیل باشد از ارباب توحید نیست" (مکتوب نمبر ۲۱ جلد اول) (بقیہ صفحہ ۲۲ پر)

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم — خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصودِ من خستہ زکونین توئی — از بہرِ تو میرم و برائے تو زیم

توحیدِ کاملؒ کے آثار و نتائج

جب اللہ کے کسی بندے کو توحید کا یہ اعلیٰ مقام حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اس کا ہر کام صرف اللہ کے لئے ہونے لگتا ہے۔ حتی کہ بظاہر اگر وہ اپنے ذاتی اور خانگی کام بھی کرتا ہے تو وہ بھی اپنی ضرورت کے احساس اور نفسانی تقاضے سے نہیں، بلکہ اللہ کے حکم کی تعمیل کی نیت سے اور اسی کی رضا کے لئے کرتا ہے اور یہ بات (یعنی ہر چھوٹا بڑا کام رضائے الٰہی کیلئے ہی کرنا) اس بندۂ خدا کے لئے

(بقیہ حاشیہ ۲۱ کا) اور سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ "فتوح الغیب" میں فرماتے ہیں:-

لیس الشرك عبادة الاصنام بل هو متابعتك لهواك وان تختار مع ربك عزوجل شيئا سواه من الدنيا وما فيها والاخرة وما فيها فما سواه عزوجل غيره فاذا ار كنت الى غيره فقد اشركت به عزوجل غيره ـــــــ (فتوح الغیوب مقالہ ہفتم)

مطلب یہ ہے کہ صرف بت پرستی ہی شرک نہیں ہے، بلکہ یہ بھی شرک ہے کہ تو اپنی خواہش نفس کا تابع ہو جائے اور اپنے پروردگار کے ساتھ تو دنیا یا آخرت کی کسی اور چیز کو اختیار کرے، پھر جب اللہ کے سوا کسی اور کی طرف تیری چاہت کا میلان ہوا تو گویا تو نے اُسکے غیر کو شریک کر لیا۔ ۱۲

بالکل ایسی طبعی بات ہو جاتی ہے جس طرح عوام الناس ہر کام اپنی ضرورت سے اور اپنے نفس کی خواہش سے کرتے ہیں[۱]۔ یہ درجہ توحید اور اخلاص کا اعلیٰ درجہ ہے، اور یہی مقامِ فنا ہے، اور اسی مقام پر پہونچ کے "لاالٰہ الا اللہ" کی تکمیل ہوتی ہے حدیث میں ہے:۔

"مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ"۔ (رواہ ابوداؤد عن ابی امامہ مشکوٰۃ)

مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جس نے اللہ کے لئے محبت کی (جس سے محبت کی) اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھا (جس سے بغض رکھا) اور اللہ ہی کے لئے دیا (جسکو کچھ دیا) اور اللہ ہی کے لئے دینے سے ہاتھ روکا (جس کو دینے سے ہاتھ روکا) غرض جس کا یہ حال ہو گیا کہ وہ سب کچھ اللہ ہی کے لئے کرنے لگا، تو اس نے

---

[۱] امام ربانی اپنے ایک مکتوب گرامی میں ان اہل اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"اولیاء اللہ ہرچہ کنند برائے حق می کنند جل وعلا نہ برائے نفس خود، چہ نفس ایشاں فدائے حق شدہ است، در خصوص اخلاص و تصحیح نیت ایشاں را در کار نیست، نیت ایشاں بہ فنائی اللہ و بقاباللہ تصحیح یافتہ است، مثلاً شخصے کہ گرفتار نفس خود است، ہرچہ می کند برائے نفس خود می کند، نیت کند یا نہ کند و چوں ایں گرفتاری نفس زائل شود و گرفتاری حق جل وعلا بجائے آں نشیند ناچار ہرچہ کند برائے حق کند، نیت دست دہد یا نہ، نیت در محل در کار است در تعیین احتیاج بہ تعین نیست۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ"۔ (مکتوب نمبر ۳ جلد اول)

ایمان کی تکمیل کرلی۔

اللہ کے جن بندوں کو اس نسبت کا کچھ حصہ مل گیا، ان کو کونین کی سب سے بڑی دولت مل گئی یہی وہ "مردانِ خدا" ہوتے ہیں، جن کو راہِ خدا میں راحت ومعیبت بالکل یکساں ہوتی ہے، اور زندگی ان کو موت سے زیادہ محبوب و مرغوب نہیں ہوتی، انکے دل کے ساز سے ہر وقت یہ آواز نکلتی ہے، سہ

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی تفصائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

بلکہ وہ اللہ سے آرزوئیں کرتے ہیں کہ انھیں بار بار زندگی دی جائے تاکہ وہ بار بار راہ خدا میں قربان ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اسی جذبہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے:۔

وَدِدتُّ اَنْ اُقْتَلَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ——

میرا جی چاہتا ہے کہ راہِ خدا میں مجھے شہید کیا جائے اور پھر مجھے زندہ کیا جائے، اور پھر میں شہید کیا جاؤں پھر میں جلایا جاؤں، اور پھر شہید کیا جاؤں۔

میخواہم از خدا بہ دعا صد ہزاراں جاں تا صد ہزار بار بہ میرم برائے تو

اہلِ توحید کا فولادی عزم اور طاقتِ انقلاب

یہی وہ مستِ الست ہوتے ہیں کہ مشکلات اور خطرات ان کا راستہ

نہیں روک سکتے، بلکہ وہ کسی خطرے کو خاطر ہی میں نہیں لاتے ؎

عشق را از تیغ و خنجر باک نیست　اصلِ عشق از آب و باد و خاک نیست
در جہاں ہم صلح ہم پیکارِ عشق　آبِ حیواں تیغ جوہر دارِ عشق
از نگاہِ عشق خارا شق شود
عشقِ حق آخر سراپا حق شود

ان عشق بازوں کے زورِ یداللّٰہی کا کون اندازہ کر سکتا ہے، یہ روانِ خدا اور فقیرانِ بے نوا جن کے پاس اللہ کے نام اور قلب میں "لاالٰہ الا اللّٰہ" کی طاقت کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوتا، جب محض اللہ کے لئے وقت کے ظالموں اور جابروں سے ٹکراتے ہیں ـــ تو بڑے بڑے فرعون و نمرودان کے سامنے لرزہ براندام نظر آتے ہیں۔ ؎

باسلاطیں می فتد مردِ فقیر　از شکوہِ بوریا لرزد سریر
از جنوں می افگند ہوئے بہ شہر　وارہاند خلق را از جبر و قہر
قلب او را قوت از جذب و سلوک
پیشِ سلطاں نعرۂ او "لاملوک"

یہ بندگانِ خدا چونکہ اپنی ہستی کو بالکل مٹا دیتے ہیں، اور جو کچھ کرتے ہیں صرف اللہ کے لئے، اور اس کی طرف سے کرتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے اقدامات اور ان کے افعال کو اپنی طرف منسوب فرما لیتا ہے، اور پھر

ان کی لاج رکھتا ہے، حدیث قدسی میں " حَتّٰی کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّذِیْ یَبْطِشُ بِهَا[1]" (او کما قال) اسی حال کی تعبیر ہے، یہی وہ خاصانِ خدا ہوتے ہیں جن کے متعلق حدیث نبوی میں ہے کہ اگر یہ اللہ پر کوئی قسم کھا بیٹھیں، تو پھر اللہ ان کی قسم پوری کرتا ہے (لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ) اے کاش! ہم "لا الٰہ الا اللہ" کے اس مقام کی حقیقت، اس کے جلال وقوت اور اس کی کارفرمائیوں اور کشود کاریوں سے کچھ آشنا ہی ہو جائیں:۔

توحید کا یہ درجہ کہ بندہ کی مراد اور اس کا محبوب اور مقصود و مطلوب حق تعالیٰ کے سوا کچھ نہ رہے، اگرچہ عام نہیں ہے، اور نہ ایمان و اسلام یا نجات اس پر موقوف ہے (بلکہ یہ صرف کمال ایمان کا درجہ[2] ہے۔ جیسا کہ الوامامہ

---

[1] یہ ایک صحیح حدیث ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ بعض بندے قرب الٰہی کے مقامات طے کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ انکی آنکھیں اور ان کے ہاتھ ان کے نہیں رہتے، بلکہ وہ چونکہ صرف اللہ کیلئے استعمال ہوتے ہیں اسلئے انکی یہ ساری قوتیں گویا اللہ کی ہو جاتی ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ یہ لوگ خدا ہو جاتے ہیں، یا خدا ان کا جزو ہو جاتا ہے ۱۲۔ [2] حضرت امام ربانی ایک مکتوب میں تصریح فرماتے ہیں۔

"واین قسم نفی آلہہ، متکثرہ نمودن واز نفی مقصودیت بنفی معبودیت غیر آمدن، شرط کمال ایمان است کہ بولایت مربوط است" (مکتوب نمبر ۳، جلد سوم)

کی مذکورہ صدر حدیث کے لفظ "فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ" سے بھی ظاہر ہے) لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہ ہے اتنی بڑی دولت کہ اگر جانیں اور عمریں کھپاکے اور دنیا کی ساری لذتیں اور راحتیں ہمیشہ کے لئے قربان کر کے بھی حاصل ہو سکے تو بڑی ارزاں ہے، اور حاصل نہ کرنیوالے بڑے بے نصیب ہیں، مگر اس راہ کے عارفوں کا بیان ہے کہ اگر طلبِ صادق ہو، اور کوشش صحیح طریقہ پر ہو تو یہ بہت زیادہ مشکل الحصول بھی نہیں ہے کہ ہم اس کی آرزو اور اسکے لئے کوشش بھی نہ کرسکیں، بلکہ اربابِ ہمت کے لئے راستہ کھلا ہوا ہے، اور سچے طالبوں کو خود اللہ کی رحمت اپنی طرف کھینچ ہی لیتی ہے، اس رحیم و کریم نے اپنے ذمہ لکھ دیا ہے:-

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا	اور جو لوگ ہمارے راستہ میں کاحقہ
لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا	جدوجہد کریں ہم ضرور انپر اپنے راستے
وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ	کھولیں گے، رجوع کرلیتا ہے اللہ
مَنْ يُّنِيْبُ۔	کیطرف اسکو اللہ راستہ پر لگا دیتا ہے

بہر حال اگر سچی انابت ہو اور جہد و قربانی کماحقہ اور صحیح طریق پر ہو، تو پھر محروم رہنے کی کوئی وجہ نہیں، بالکل سچی ترجمانی کی ہے منتہ اللہ کی جس نے کہا ہے، ؎

در حضرتِ ما دوستی یکدلہ کن — ہر چیز کہ غیر ماست آنرا یلہ کن
یک صبح باخلاص بیا بر در من — گر کار تو بر نیاید گلہ کن

توحیدِ کامل کے مقام تک پہنچنے کیلئے ابتدائی نصاب

آپ کے واسطے اس منزلِ مقصود کی طرف جانے کے لئے صحیح تر راستہ تو وہی ہوگا جو اس منزل کا کوئی شناسا اور اس کا کوئی راہبر آپ کے لئے تجویز کرے لیکن ہم جیسے مبتدیوں کے لئے ایک عمومی تدبیر جس میں انشاء اللہ کوئی خطرہ اور کھٹکا نہیں ہے، اور جو اس راہ کے عارفوں ہی کی بتلائی ہوئی اور لکھی ہوئی ہے یہ بھی ہے کہ اس حقیقت کا دھیان کر کے کہ "اللہ کے سوا میرا کوئی مقصود و مطلوب نہیں"، اسی کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" کے ذکر کی کثرت کی جائے، یعنی تسلسل اور تکرار کے ساتھ دل اور زبان ہم آواز ہو کے اُلاپا کریں" لا الٰہ الا اللہ" (اللہ کے سوا کوئی مقصود و مطلوب نہیں) اس معنی کے دھیان کے ساتھ اس ذکر کی کثرت ہی سے انشاء اللہ یہ کیفیت پیدا ہونے لگی گی، اور خدا نے چاہا تو ترقی کرتی جائے گی [1]

---

[1] امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رح اپنے ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں۔

"در تحصیل ایں دولت مناسب حال سالک معنی کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ لا مقصود الا اللہ ست چنداں تکرار ایں کلمہ باید کہ از معبودیت غیر نامے و نشانے نماند مراد جز او تعالیٰ ہیچ چیز نبود (مکتوب نمبر ۳۱، جلد سوم) نیز اسی جلد کے تیرھویں مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں۔

"ملتزم ذکر نفی و اثبات باشید و جمیع مرادات را بتکرار ایں کلمۂ طیبہ از ساحت سینہ برآید تا مقصود و مطلوب و محبوب جز یکے نباشد" (مکتوب نمبر ۱۳، جلد سوم)

(**تنبیہ**) سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کو اس مقصدِ عظیم، یعنی "توحید" اور "اخلاص" کے اعلیٰ مقام کے حصول کا پورا نصاب نہ سمجھا جائے، یہ تو اس راہ کے بعض رہبروں نے محض ابتدائے کار کے لئے لکھا ہے، گویا یہ صرف بسم اللہ ہے، ورنہ اس راستہ کے طے کرنے کے لئے عام طور پر اللہ کے کسی صاحبِ اخلاص بندہ کی رہنمائی اور نگرانی کی ضرورت ہوتی ہی ہے، وہی سالک کے حالات کی رعایت رکھتے ہوئے ہر موقع اور ہر منزل پر صحیح مشورے دے سکتا ہے، بلکہ ائمۂ فن نے تصریح کی ہے کہ "تزکیۂ قلب" اور تحصیلِ مقامِ قرب واخلاص" کے بارے میں ذکر کا جو اثر ہوتا ہے وہ بھی (مختلف وجوہ سے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے) کسی صاحبِ دل شیخ کی تلقین اور نگرانی کی وجہ سے اور صحبت کی برکت سے قوی تر ہو جاتا ہے، اگرچہ ذکر کے اجرِ اُخروی میں اس کی وجہ سے کوئی خاص کمی بیشی نہیں ہوتی۔[1]

بہر حال اس راستہ میں کسی واقفِ رسم و راہ بندۂ خدا کی رہنمائی اور صحبت عام حالات میں قریب قریب ضروریات ہی میں سے ہے، اس کے بغیر "حقیقی اخلاص" کا حصول اور اس میں استقامت، جیسا کہ اس راہ کے تجربہ کاروں نے لکھا ہے اخص الخواص ہی کا حصہ ہے، اور مستثنیات میں

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب بست و پنجم ۲۵؎ ۱۲

سے ہے، سچ کہا ہے کہنے والے نے ؎

دیں نگرد و پختہ بے آدابِ عشق دیں بگیر از صحبتِ اربابِ عشق
ظاہر او سوزناک و آتشیں باطنِ او نورِ ربّ العالمیں

(اقبال)

یہاں تک تو "لا الٰہ الا اللہ" کے معنی اور توحید کے درجات اور ان کے متعلقات کا بیان تھا، اب آخر میں اس مُبارک اور مقدّس کلمہ "لا الٰہ الّا اللہ" کی عظمت اور اہمیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات نقل کئے جاتے ہیں، یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی بھی اس کلمہ کی عظمت و اہمیت کا عارف نہیں ہو سکتا:۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں بھی ایک مشہور حدیث مروی ہے اس کا پہلا جز یہ ہے:۔

اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ ایمان کے ستر سے بھی کچھ اوپر شعبے
شُعْبَۃً فَاَفْضَلُھَا ہیں، اُن میں افضل ترین شعبہ
قَوْلُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ "لا الٰہ الّا اللہ" کہنا ہے

(۲)

مسند احمد اور معجم طبرانی وغیرہ کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث بھی مروی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
وَسَلَّمَ جَدِّدُوْا اِيْمَانَكُمْ	کہ اپنے ایمانوں کی تجدید یعنی ان کو
قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ وَكَيْفَ	تازہ کرتے رہا کرو۔ صحابہؓ نے عرض
نُجَدِّدُ اِيْمَانَنَا؟ قَالَ	کیا۔ یارسول اللہؐ ہم کس طرح
اَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَا اِلٰهَ	اپنے ایمان کی تجدید کیا کریں ؟
اِلَّا اللهُ ۔	آپ نے فرمایا۔ "لا الٰہ الا اللہ کثرت سے پڑھا کرو

(۳)

حضرت جابرؓ کی مشہور حدیث ہے جو ابن ماجہ اور نسائی وغیرہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ؕ

تمام اذکار میں افضل و اعلیٰ "لا الٰہ الا اللہ" ہے

(۴)

اور نسائی اور حاکم اور بیہقی وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ایک حدیث قدسی روایت کی ہے، جس کا آخری حصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا ۔۔

لَوْاَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعَ فِیْ كِفَّةٍ وَّلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِیْ كِفَّةٍ مَالَتْ بِهِمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔	اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور "لا الٰہ الا اللہ" دوسرے پلڑے میں تو لا الٰہ الا اللہ والا پلڑا ہی بھاری ہوگا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کلمۂ طیبہ کا دوسرا جزو

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ

(حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اس کے پیغمبر ہیں۔)

توحید کے بعد اسلام کی دوسری بنیاد سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا اور اس کی شہادت دینا ہے۔

رسالت کی حقیقت اور پیغمبری کے منصب کو سمجھنے کے لئے اور بالخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سلسلہ میں جو ممتاز مقام ہے، اس سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔

(۱) "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہہ کے ہم نے توحید کی شہادت دی تھی اور اپنے اس اعتقاد و ایمان کا اعلان اور اس حقیقت کا اعتراف کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا معبود ہے، لہٰذا ہم اس کی اور صرف اسی کی عبادت کریں گے اور وہی ہمارا مالک اور حقیقی بادشاہ ہے، لہٰذا اُس کے اور صرف اسی کے حکموں پر چلیں گے، اور وہی ہمارا مقصود و مطلوب ہے اس لئے اسی کی رضا جوئی کو ہم اپنا نصب العین اور مقصدِ حیات بنائیں گے اور اسی کیلئے جئیں گے اور اسی کیلئے مریں گے۔

(۲) لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اس کے بغیر نہیں ہوسکتا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا صحیح طریقہ معلوم ہو، اور اس کے اُن احکام کا بھی علم ہو، جن پر وہ ہم کو چلانا چاہتا ہے۔ اور اس کی رضامندی و ناراضی کے اصول و موجبات سے بھی ہم باخبر اور اس کے تقرب کی راہوں سے بھی ہم آشنا ہوں، ہماری اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے شروع دنیا سے نبوت و رسالت کا مقدس سلسلہ جاری کیا، اور انہی چیزوں کی تعلیم و ہدایت کے لئے مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں اور قوموں میں اس نے اپنے رسول بھیجے، اور جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی امتوں کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت کرائی، توحید کا درس دیا، اور اس کی ذات و صفات اور مبدأ و معاد کے متعلق صحیح عقائد کی تلقین کی نیز اللہ کی عبادت کے صحیح طریقے ان کو بتلائے، اور معاملات و معاشرت وغیرہ کے بارہ میں اس کے احکام و قوانین اُن تک پہونچائے، اور رضائے الٰہی و قرب خداوندی کی طرف جانیوالے راستے کو ان کے لئے روشن کیا (صلوٰۃ وسلام ہو اُن سب پر)

(۳) لیکن اب سے دو ڈھائی ہزار برس پہلے تک دنیا میں بسنے والی قومیں چونکہ ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ اپنے علاقوں میں محدود اور مقید تھیں اور دنیا کے مختلف حصوں میں آمد و رفت اور میل جول کی جو صورتیں بعد میں پیدا ہوئیں اس وقت تک وہ وجود میں نہیں آئی تھیں، جس کی وجہ سے

مختلف ملکوں میں رہنے والی قوموں کے مزاج اور احوال میں غیر معمولی فرق تھا اس لئے اس وقت تک جتنے پیغمبر آتے تھے وہ عمومًا اپنے اپنے علاقوں اور اپنی اپنی قوموں ہی کی ہدایت کے لئے آتے تھے، نیز اس وقت تک عام انسانوں کی اندرونی صلاحیتیں بھی نامکمل تھیں، گویا انسانیت ابھی نابالغ اور سنِ طفلی میں تھی، اور کسی کامل و مکمل دین کے تحمل کے قابل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے ان پیغمبروں کے ذریعے اللہ تعالیٰ جو احکام اور جو قانون و دستور ان قوں کے لئے بھیجتے تھے اس میں ان کے مخصوص مزاج اور احوال کی رعایت کے ساتھ ان کی اندرونی صلاحیت اور حدِ برداشت کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا جس کی وجہ سے ان کی شریعتوں میں احکام کی کمی بیشی، اجمال و تفصیل اور سختی و نرمی کے لحاظ سے باہم کچھ فرق بھی ہوتا تھا۔

نبوت و رسالت کا یہ سلسلہ چلتا رہا، اور اللہ ہی جانتا ہے کہ اُس کی طرف سے کتنے پیغمبر کن کن قوموں میں کس کس وقت آئے، ان میں سے چند پیغمبروں کے نام اور ان کے کچھ حالات و واقعات بھی ہم کو قرآن مجید میں بتلائے گئے ہیں اور ساتھ ہی تصریح کر دی گئی ہے کہ ان کے علاوہ بھی اور بہت سے پیغمبر ہم نے مختلف قوموں میں بھیجے ہیں، ہم ان سب انبیاء و رسل کی تصدیق کرتے ہیں، اور ان کی ہدایت و رہنمائی اور پیغمبرانہ مساعی کا اعتراف اور ان کی تعظیم و توقیر کو اپنا دینی فرض جانتے ہیں ۔۔۔ (اللہ کا صلوٰۃ وسلام ہو

ان سب پر)۔

(۴) پھر اب سے کوئی ڈیڑھ ہزار برس پہلے اللہ کے ہزاروں پیغمبروں کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں اور ہزاروں سال کی فطری تدریجی ترقی کے بعد جب انسانوں کی وہ اندرونی صلاحیتیں مکمل ہوگئیں جن کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے ہم کو دین کا مکلف کیا ہے، گویا جب انسانیت اپنی دینی استعداد کے لحاظ سے سنِ بلوغ کو پہونچ گئی، اور اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ نے اسی زمانہ میں دنیا کی مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے درمیان تجارت اور میل جول کے ایسے اسباب بھی پیدا کرنے شروع کر دیے جن کی وجہ سے علوم و افکار اور اخلاق و عادات ایک قوم سے دوسری قوم میں، اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف منتقل ہونے لگے، اور ایک ملک کی آواز دوسرے ممالک تک پہونچ سکنے کی صورتیں پیدا ہوگئیں۔ الغرض جب اِس طور سے وہ دنیا جو بہت سے الگ تھلگ ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی "ایک دنیا" بن گئی، تو وقت آگیا کہ پوری دنیا کے لیے ایک ہی کامل و مکمل دین اور ایک ہی دستور و آئین بھیجدیا جائے، اور سب ملکوں اور ساری قوموں کے لیے ایک ہی رسُول مبعوث کیا جائے۔

(۵) پس اسی فطری تقاضے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جزیرہ نمائے عرب کے مرکزی شہر مکہ معظمہ میں سرورِ کائنات رحمتِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا کے لئے رسول، اور ساری قوموں کے واسطے ہادی بنا کے بھیجا، اور

حکم دیا کہ ساری دنیا کے انسانوں کو پیغام دو:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ
الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ
وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

کہو اے انسانو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا
بھیجا ہوا پیغمبر ہوں جسکی بادشاہی اور فرمانروائی
ہے زمین اور آسمانوں میں، اُسکے سوا کوئی
عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے
اور وہی موت دیتا ہے، پس اُسی اللہ پر
ایمان لاؤ اور اسکے رسُول نبی اُمّی پر، جو خود اللہ اور
(الاعراف - ع ۲۰) اسکے احکام پر ایمان رکھتا ہے، اور اسکا اتباع کرو تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔

(حاشیہ صفحہ ۳۶) سلہ آپ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کی دنیا کا نقشہ اور اس وقت کی مختلف قوموں کی تاریخ سامنے رکھیں، تو بڑی آسانی سے یہ چیز آپ کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ساری دنیا کی پیغمبری کے لئے اسوقت عرب کے ایک انسان کا انتخاب کیوں کیا گیا۔ مندرجہ ذیل حقیقتوں پر ذرا غور کیجئے۔

(الف) عرب کا ملک ایشیا اور افریقہ کے بالکل وسط میں واقع ہے، اور یورپ بھی یہاں سے قریب ہی ہے، بالخصوص اس کا وہ جنوبی حصہ جس میں اُس زمانہ کی متمدن قومیں زیادہ تر آباد تھیں عرب سے قریباً اتنے ہی فاصلہ پر ہے جتنے فاصلہ پر کہ ہندوستان ہے۔ الغرض اوّلاً تو اس مخصوص جغرافیائی پوزیشن کی وجہ سے عالمگیر پیغمبری کے لیے اس وقت عرب ہی موزوں ترین مقام ہو سکتا تھا۔

(ب) ثانیاً یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ اُس زمانہ کی تمام قوموں میں عرب قوم ہی

(باقی ص۳۸ پر)

(بقیہ حاشیہ ص۳۷) چند ایسے عادات وخصائل اور امتیازی اوصاف اپنے اندر رکھتی تھی جو اتنے بڑے کام کے لئے ضروری تھے، مثلاً اس کا دل ودماغ صاف اور اس کی زندگی سادہ تھی، اور کسی فلسفہ اور کسی نظام فکر اور کسی تمدن کی جڑیں اس کے دل ودماغ کی زمین میں جمی ہوئی نہ تھیں، جن کا اکھاڑنا اور ان کی جگہ نئے فلسفہ اور نئے تمدن کو بٹھانا مشکل ہوتا۔ نیز یہ قوم کسی سیاسی نظام کی بندشوں میں جکڑ بند نہ ہونے اور غلامی کی ہوا سے بھی محفوظ رہنے کی وجہ سے بڑی بلند حوصلہ بے پناہ عزم وہمت کی مالک، نہایت خوددار اور غیور، شجاعت پیشہ اپنی بات کے لیے بے دریغ اور بے حساب قربانیاں کرنے والی، سخت جفاکش، اور مشکلات سے کبھی نہ منہ موڑنے والی اور اپنی فطرت میں نہایت قابل وتابناک جوہر رکھنے والی قوم تھی، تاریخ ان سب حقیقتوں کی گواہ ہے، اور عربوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد جو کچھ دنیا میں کرکے دکھایا وہ ہمارے اس بیان کا روشن ثبوت ہے۔

(ج) پھر اس قوم کے پاس ایک نہایت اعلیٰ اور ترقی یافتہ زبان تھی، جو کسی عالمگیر اصلاحی انقلاب کا ذریعہ بننے کے لیے اس وقت کی تمام دوسری زبانوں سے زیادہ صلاحیت رکھتی تھی، اور آج بھی اس کی یہ خصوصیت جوں کی توں باقی ہے، کسی غیر عربی داں کیلئے عربی زبان کی اس خصوصیت کا اندازہ کرنا تو مشکل ہوگا لیکن عربی داں جانتے ہیں کہ اس زبان میں کس بلا کی طاقت اور کسی دعوت کا ترجمان اور ذریعۂ تبلیغ بننے کی کتنی اعلیٰ صلاحیت ہے۔

بہرحال یہ وہ وجوہات جن کو پیش نظر رکھ کر ہر عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت عالمگیر پیغمبری کے لیے ملک عرب اور عربی قوم ہی کا انتخاب ہونا چاہئیے۔

اور چونکہ انسانیت اپنی دینی استعداد کے لحاظ سے کامل ہو چکی تھی[۱] اور اس میں کامل و مکمل دین کے تحمل کی صلاحیت آچکی تھی، اس لیے اسی نبی امیؐ کی تعلیم کے ذریعے دینی نظام کی آخری تکمیل بھی کردی گئی، اور اعلان فرما دیا گیا:-

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ	آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا
وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ	اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی[۲]۔

(المائدۃ - ع ۱)

(۶) پھر دین کی اِس تکمیل کے بعد حکمتِ الٰہی کا یہ بھی تقاضا ہوا کہ اس دین کو ہمیشہ کے لیے ہر قسم کی تحریف اور ملاوٹ سے محفوظ کر دیا جائے، اور اس کی حفاظت کا ایسا انتظام کر دیا جائے کہ دنیا ہمیشہ ہمیشہ اس سے روشنی حاصل

---

[۱] بعد کے زمانوں میں بالخصوص یورپ کی اس نشأۃ ثانیہ کے دور میں علوم و فنون اور ایجادات و انکشافات میں جو ترقیاں ہوئی ہیں ان کی وجہ سے کسی کو یہ مغالطہ نہ ہونا چاہیے کہ "انسانی صلاحیت" برابر ترقی پذیر ہے، کیونکہ یہ ترقی دراصل ایجادات اور تجربات کی ترقی ہے، اور اس کا تعلق مادیات سے ہے، اور ہماری گفتگو جس صلاحیت میں ہے، وہ بالکل دوسری چیز ہے، اور ہر واقفِ حال جانتا ہے کہ اس راہ میں یورپ نے ایک انچ بھی ترقی نہیں کی ہے۔۱۲

[۲] قرآن مجید کے اس اعلان اور اس دعوے سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو اسلام کا کامل و مکمل دین ہونا اور کتاب اسلام (قرآن مجید) کا ہر زمانہ اور ہر ملک کے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کافی وافی ہونا، ایک ایسی ظاہر و آشکارا اور تجربے میں (باقی صفحہ ۴۲ پر)

کرتی رہے ۔ چنانچہ قدرتِ خداوندی نے ایسے اسباب پیدا فرمادیئے کہ یہ آخری مکمل دین اور اس کا صحیفہ (قرآن مجید) ہمیشہ کے لیئے محفوظ ہو گئے[۲] ، اور

ہے کہ کوئی دشمن بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ اس عرصے میں کتنے انقلابات آئے، کتنے فلسفے، کتنے نظریئے، کتنے قوانین اور کتنے ضابطے بنے اور بگڑے اور دنیا نے انھیں فرسودہ اور ناقابلِ عمل قرار دیکر رد ی کردیا، لیکن "نبی امیؐ" کا پیش کیا ہوا اسلام اور اس کا صحیفہ قرآن مجید اٹل اپنی جگہ پر ہے، اور آج تیرہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس کا کوئی ذہین سے ذہین دشمن اسکے کسی ایک حکم میں بھی ادنیٰ تبدیل و ترمیم کی ضرورت ثابت نہیں کرسکتا۔ نیز اسلام اور قرآن کے کامل اور اٹل ہونے کا اس سے بھی بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس کے نہ ماننے والے بھی آہستہ آہستہ اسکے اصولوں کو اختیار کرتے جارہے ہیں، اِن اوراق میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اور نہ بتلایا جاسکتا ہے کہ الٰہیات سے لے کر معاملات و معاشرت تک آج کی "ترقی یافتہ" قومیں اسلام کی کس طرح خوشہ چینی کر رہی ہیں، اور کس قدر تیز رفتاری سے اسلام کے اصولوں کو اپناتی جارہی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر اسلام (کامل و مکمل اسلام) دنیا کے کسی خطے میں بھی عملی شکل میں اس وقت قائم ہوتا، یعنی اسلام کے اجتماعی اور انفرادی تمام قوانین اور اسکی تعلیمات و ہدایات کا عملی نمونہ کہیں دیکھا جاسکتا، تو یقیناً دنیا کی بہت سی صاحبِ اقتدار قومیں اسکے زیرِ سایہ آجانے ہی میں اپنی اور کُل انسانیت کی نجات سمجھتیں۔ کاش! مسلمان اور مسلمانوں کی حکومتیں اپنے منصب اور اپنی اِس خاص ذمہ داری کو سمجھیں۔ ۱۲

[۲] قرآن مجید کی یہ حفاظت (اور اسکے ذریعہ دین اسلام کی حفاظت) (بقیہ ص۴۱ پر)

کسی ملاوٹ، کسی تبدیل وتحریف اور کسی شک و شبہ کے لیے راستہ ہی نہیں رہا، اور اس حفاظت کی ضمانت کا اعلان قرآن مجید میں بھی فرما دیا گیا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ کا) دین حق کا ایسا معجزہ ہے، جو اسلام کے منکروں کے لئے آج بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی حجت اور نہایت روشن دلیل ہے۔ ذرا غور تو کیجئے، قرآن مجید کا طرز بیان عام انسانوں حتیٰ کہ خود اہل عرب کے طرز کلام سے بھی ممتاز اور نرالا ہے، اور جس جاہلی ماحول اور جس ظلماتی فضا میں وہ نازل ہوا ہے اُس میں اس کے مضامین بھی لوگوں کے لئے اچنبھے کی باتیں ہیں جن سے وہ ذرا مانوس نہیں ہیں، پھر جس ہستی پر وہ نازل ہوا ہے وہ "اُمّی" ہے نوشت و خواند سے ناآشنا ہے، خود قرآن کے بیان کے مطابق مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ اُس کا حال ہے، یعنی وہ اپنے قلم سے ایک سطر بلکہ ایک کلمہ لکھنے پر بھی قادر نہیں ہے، بلکہ اس کو اگر کبھی کچھ لکھانا ہوتا ہے تو دوسروں سے لکھایا جاتا ہے پھر قرآن دس پانچ ورق کا کوئی چھوٹا سا صحیفہ نہیں ہے، بلکہ اچھی خاصی ضخیم کتاب ہے اور زمانہ پریس کا بھی نہیں ہے کہ جو کتاب ایک دفعہ چھپ جائے وہ محفوظ ہو جائے بلکہ صورت یہ ہے کہ جس ملک اور جس قوم میں قرآن نازل ہوا ہے اس میں لکھنے پڑھنے کا رواج بھی بہت کم ہے، اسلئے ایسا بھی نہیں کہ اس کے بہت سے مکمل نسخے عہد نبوی ہی میں تیار ہو گئے ہوں بہر حالی جس کتاب کی یہ سرگزشت ہو، اور جو اسباب حفاظت سے اسقدر تہی دست ہو، اس کتاب کا اس طرح محفوظ رہ جانا جس طرح قرآن مجید محفوظ ہے، اگر معجزہ اور قدرت الٰہی کا خاص کرشمہ نہیں، تو کیا ہے۔؟ - ۱۲

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ — ہم نے ہی اس قرآن کو اتارا ہے اور ہم خود ضرور بالضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

(سورۂ حجر۔ ع ۱)

یہیں سے آپ نے یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ جب دین آخری حد تک مکمل بھی ہوگیا، اور محفوظ بھی، تو اب دنیا کو کسی نئی نبوت اور نئے ہدایت نامہ کی مطلق ضرورت نہیں رہی، لہٰذا نبوتِ محمدیؐ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ محض جھوٹ اور افترار علی اللہ ہے۔

جو ایمانی اور تاریخی حقیقتیں مندرجۂ بالا تمہیدی سطور میں ذکر کی گئی ہیں (جو ازروئے عقل بھی ثابت اور واجب التسلیم ہیں اور ازروئے نقل بھی) ان سب کا نتیجہ اور حاصل یہ ہوا کہ۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اور اپنے احکام اور اپنی مرضیات سے اُن کو باخبر کرنے کے واسطے نبوت کا جو سلسلہ ابتدائے دنیا سے جاری کیا تھا سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مقدس و مبارک سلسلے کی آخری کڑی ہیں (یا خود اپنی تمثیل کے مطابق عمارتِ نبوت کی آخری اینٹ ہیں) حق تعالیٰ کے معتمد نمائندے اور اُس کی مرضیات کے سچے ترجمان ہیں۔ انکا پیغام اللہ کا پیغام اور انکی ہدایت اللہ کی ہدایت ہے، لہٰذا انکی اطاعت و فرمانبرداری

یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اور ان کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے
کیونکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اللہ ہی کی طرف سے کہتے ہیں اور اسی کا حکم پہونچاتے ہیں:-

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ	جس نے رسُول کی اطاعت کی
اَطَاعَ اللّٰہَ ۔	اُس نے درحقیقت اللہ ہی کی
(النسآء ۔ ع ۱۱)	اطاعت کی ۔
مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی	یہ رسُول اپنے جی سے نہیں بولتے
اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی	بلکہ (جو ہدایت یہ دیتے ہیں) وہ
(النجم ۔ ع ۱)	ہماری ہی وحی ہے جو اُن پر کیجاتی ہے ۔

ؔ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اگر اس کی روشنی میں آپ نے رسالت
کی حقیقت اور اس کے مقصد و منصب کو سمجھ لیا ہے تو یہ حقیقت خود بخود آپ
پر واضح ہو گئی ہوگی، کہ کسی ہستی کو اللہ کا رسول مان لینا اور اس کی رسالت
کی شہادت دینا کیا معنی رکھتا ہے، اور اس کی وجہ سے آدمی پر کیا ذمہ داریاں
عائد ہو جاتی ہیں۔ تاہم مسلمانوں کی موجودہ غفلت و خود فراموشی کے پیش نظر
چند تصریحات ضروری معلوم ہوتی ہیں۔

کسی کو رسُول ماننے کا مطلب اور اُس کے لوازم

آپ نے جب کسی کو "اللہ کا رسُول" مان لیا اور اُس کی شہادت دی، تو درحقیقت آپ نے اپنے لیے اور اپنی رائے میں ساری دنیا کے لئے بہت بڑے اور نہایت اہم چند فیصلے کر ڈالے۔ ایسے فیصلے کہ ان سے بڑے اور ان سے زیادہ انقلاب آفریں قسم کے کسی فیصلے کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا، گویا آپ نے اپنے دل دماغ اور اپنی زبان سے فیصلہ کر دیا کہ :۔۔۔۔۔۔۔

(الف) خالق کائنات اور فاطرِ ہستی کے بارے میں، دُنیا کے آغاز و انجام کے بارے میں، زمین و آسمان اور اس سارے جہان کے بارے میں وہ نبیؐ رسول جو کچھ کہتا ہے اور بتلاتا ہے وہی اور صرف وہی حق اور سچ ہے۔ کیونکہ وہ اپنی غور و فکر سے نہیں، بلکہ خدائے علیم و خبیر کے بخشے ہوئے علم سے کہہ رہا ہے، اور دنیا بھر کے فلاسفہ اور مفکّرین و مصنّفین بھی اگر اس کے خلاف کہیں یا کہہ رہے ہوں، تو وہ سب باطل ہے، جھوٹ ہے، اور اندھوں کی اٹکل پچّو ہے۔

(ب) وہ جن اَن دیکھی اور اَن سنی چیزوں کی خبر دیتا ہے، مثلاً فرشتوں کی ہستی اور اُن کے اوصاف و اشغال بتلاتا ہے، یا مثلاً قیامت آنے اور اسکے بعد حشر برپا ہونے اور پھر آخرت میں حساب کتاب اور جزا سزا کے ہونے کی خبر دیتا ہے۔ یا جنّت و دوزخ کا موجود ہونا، اور پھر جنّت میں طرح طرح کی

نعمتوں کا اور دوزخ میں انواع واقسام کے دردناک عذابوں کا ہونا جس تفصیل سے وہ بیان کرتا ہے وہ سب حق ہے، بلا چون وچرا اس کا ماننا ضروری ہے کیونکہ وہ یہ سب باتیں خدا کی طرف سے تبلا رہا ہے، لہٰذا اُس کی بیان کی ہوئی (بالیقین اس کی بیان کی ہوئی) کسی چیز کے ماننے سے اگر کوئی انکار کرے تو وہ ایمان اور نجات سے محروم ہے۔

(ج) اسی طرح عبادات کے بارے میں اخلاق وآداب کے بارے میں اور تمدن ومعاشرت کے بارے میں جو احکام اس نے دیے ہیں اور علیٰ ہٰذا سیاست وجہانبانی کے بھی جو اصول وقوانین اس نے تبلائے ہیں۔ الغرض انسانی زندگی کے ان تمام شعبوں میں اُس کی جو تعلیمات اور ہدایات ہیں وہ سب بالکل اٹل ہیں، واجب التعمیل ہیں، اور ان کے خلاف جو طور طریقے رائج ہیں خواہ وہ ہمارے ہی گھروں اور ہمارے ہی خاندانوں میں رائج ہیں اور خواہ ہمارے باپ دادوں ہی نے رائج کیے ہوں، اور خواہ دنیا کی کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی یافتہ قوم یا خود ہماری قوم اور ہماری حکومت ان کو اپنائے ہوئے ہو بہر حال وہ سب غلط ہیں، انسانیت کے لیے مضر اور مہلک ہیں، اور اس لیے لائق ترک بلکہ قابلِ شکست وریخت ہیں۔

الغرض کسی کو "اللہ کا رسول" ماننا اگر چہ بظاہر ایک مختصر سی بات ہے، لیکن درحقیقت اپنی ذات اور ساری دنیا کے متعلق یہ تمام اہم فیصلے اس میں

مضمر ہیں، پس جو شخص کسی رسول کی رسالت کی گواہی اپنی زبان سے دیتا ہے اور اس بنا پر اپنے کو اس کا امتی کہتا ہے لیکن اس کا دل ان فیصلوں کیلئے آمادہ نہیں ہے تو درحقیقت وہ بڑے مغالطے میں ہے اور اس نے رسالت پیغمبری کا مطلب ہی نہیں سمجھا ہے ـــــ کسی نبی و رسول کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ ہم نے اس کی ہر تعلیم و ہدایت کو حق، اور اسکے خلاف ہر نظریے اور ہر رواج اور ہر دستور کو غلط و باطل مان لیا اور مرضیاتِ الٰہی کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ان کو اپنا واجب الاطاعت ہادی اور رہنما تسلیم کرلیا ـــــ قرآن مجید میں بڑی صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے: ـــ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى	قسم تمہارے پروردگار کی یہ لوگ
يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ	مومن نہیں ہوسکتے جب تک تم
بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي	کو حَکَم نہ مان لیں اپنے اختلافات میں۔
أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا	پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں تنگی تمہارے
قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا	کئے ہوئے فیصلے سے، اور مان لیں
(النساء ـ ع ۹)	اس کو قطعی طور سے مان لینا۔

بہرحال نبی و رسول کی تعلیم و ہدایت کے سامنے آجانے کے بعد مومن کو غور و تامل اور ترجیح و انتخاب کا اختیار نہیں رہتا بلکہ اس کا کام صرف مان لینا اور اس کی تعمیل میں لگ جانا ہے، اور یہ ماننا بھی صرف قانونی اور جبری قسم کا

نہیں بلکہ دل وجان سے مان لینا، یہی شرطِ ایمان ہے۔

نبی و رسول کی حیثیت دنیا کے عام مصلحین اور لیڈرانِ قوم کی سی نہیں ہوتی، کہ اُن کو مصلح او لیڈر ماننے کے باوجود اختیار رہتا ہے کہ اگر بالفرض اُن کی کوئی بات آپ کو مصلحتِ وقت کے خلاف یا غلط نظر آئے تو اس کو آپ نہ مانیں، بلکہ رسُول کی حیثیت جیساکہ اوپر تفصیل سے بتلایا گیا اللہ کے صادق اور معتمد نمائندے کی ہے، جس کے متعلق مانا ہوا ہے کہ وہ جو بھی ہدایت دیتا ہے اللہ ہی کیطرف سے دیتا ہے۔ اسلئے اپنی رائے اپنے جذبے اپنی پسند اور اپنی خواہش کو اسکا غلام اور محکوم بنا دینا شرطِ ایمان ہے[1]____

قرآن مجید میں صاف اعلان کردیا گیا ہے:____

وَمَاكَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَامُؤْمِنَةٍ   اور نہیں گنجائش کسی مومن مرد یا مومنہ

---

[1] اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام انسانوں کی عقل ورائے کو بالکل بیکار قرار دے کر پیغمبروں کی باتیں خواہ مخواہ ملنے پر انکو مجبور کرتا ہے بلکہ اس بارے میں اسلام کا جو رویہ ہے وہ درحقیقت نہایت عاقلانہ ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ تم پیغمبر کو پہچاننے میں تو پوری عقل اور فکر و بصیرت سے کام لو لیکن جب تم خوب سوچ سمجھ کے کسی کو "اللہ کا رسُول" مان لو، تو پھر اس کی ہر تعلیم و ہدایت کو منجانب اللہ سمجھ کے اُس کے سامنے سرِ تسلیم خم کردو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو اسکے معنی یہ ہوں گے کہ ابھی تم نے اُسکو رسُول مانا ہی نہیں ہے، یا پھر تم رسول کے معنی سے بھی نا آشنا ہو۔ ۱۲

إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا	عورت کے لیئے اس بات کی کہ جب
أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ	فیصلہ کردیں اللہ درسول کسی بات کا، تو
أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ	پھر انھیں اختیار ہو اپنے بارے میں اور جو
رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔	کوئی نافرمانی کرے اللہ اور اسکے رسول
(الاحزاب - ع، ۵)	کی تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑ گیا۔

اور حدیث نبویؐ میں اِس سے بھی زیادہ وضاحت اور صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ	تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا
هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ۔	تا وقتیکہ اسکی خواہش میری لائی ہوئی
(شرح السنۃ)	ہدایت کے تابع اور ماتحت نہ ہو جائے۔

درحقیقت منصب رسالت کا تقاضا یہی ہے کہ پیغمبروں کی ہر اُس بات کو بلا چون وچرا تسلیم کیا جائے، اور اُس کا پورا پورا اتباع کیا جائے جو وہ انسانوں کی ہدایت کے بارے میں فرمائیں۔

نیز پیغمبروں کی آمد کا مقصد صرف اس سے پورا نہیں ہوتا کہ آپ انکو صرف دل سے اور عقیدے میں پیغمبر مان لیں، اور ان کی شان میں مدح وثنا کے قصیدے پڑھا کریں، بلکہ پیغمبروں کی بعثت کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُنکا اتباع کیا جائے اور اُن کی ہدایتوں پر چلا جائے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ (النساء۔ ع ۸)	اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اِسی واسطے مبعوث کیا کہ بحکم خداوندی اُن کی اطاعت کی جائے۔

پس کسی کو خدا کا رسُول ماننا اور اُس کی رسالت کی شہادت دینا اپنی عملی زندگی کے متعلق بھی درحقیقت اِس بات کا عہد اور اقرار کرنا ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کو اس رسُول کی ہدایت اور اس کی لائی ہوئی شریعت کے ماتحت کر دیا، اور ہم اس کے پیرو ہو کر ہی جئیں گے، اور پیروی کرتے ہوئے ہی مریں گے۔

اور قرآن مجید میں صاف صاف اعلان کر دیا گیا ہے کہ کوئی شخص بغیر اتباعِ رسولؐ کے اللہ کو راضی نہیں کر سکتا :———

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران)	کہدو اے رسُول! اگر تم چاہتے ہو اللہ کو تو اتباع کرو میرا، اللہ تمھیں چاہنے لگے گا، اور تمھارے گناہ بخشدے گا۔

منصب رسالت کے متعلق قرآن مجید کی مندرجۂ صدر تصریحات اور اس کے کھلے لوازم و نتائج کو ذرا دیر کے لئے ذہن میں حاضر کیجئے اور پھر سوچئے کہ "کلمہ طیبہ" میں ہم جو "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" زبان سے کہتے ہیں اور آپؐ کی رسالت کی جو شہادت دیتے ہیں تو اس کی ذمہ داریوں کو ہم کہاں تک

پورا کر رہے ہیں۔ زبان سے اللہ کے کسی نبی و رسول کی نبوت و رسالت کی شہادت دینا اور زندگی بھر اس کے خلاف راستوں پر اطمینان سے چلتے رہنا ایمان نہیں نفاق ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔

اللہ کے رسُولؐ سے محبّت

کسی ہستی کو "رسُول اللہؐ" ماننے کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ دنیا وما فیہا میں سب سے زیادہ اُس سے محبت کی جائے، یعنی اللہ کے بعد وہی ہیں سب سے زیادہ محبوب ہو۔

اچھوں کی محبّت چونکہ انسان کی فطرت ہے، اور انبیاء ورسل چونکہ سب دنیا کے اچھوں سے اچھے بلکہ سب اچھوں کے سردار اور ساری ظاہری وباطنی خوبیوں کے جامع اور محاسن وکمالات کے پیکر ہوتے ہیں اور وہی دنیا کے سب سے بڑے محسن اور ہمدرد بھی ہوتے ہیں اس لیے اُن سے اعلیٰ درجے کی محبّت ہونا بالکل فطری بات ہے، اور یہی محبت درحقیقت مطلق اطاعت

اور بلا چون و چرا اتباع و تسلیم کی مشکل کو آسان کر دیتی ہے۔ بقول اقبال۔

عشق کی اِک جست نے طے کر دیا قصّہ تمام
اِس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

انسان جب کسی سے عشق و محبت کرتا ہے تو اس کے اشاروں پر چلنا اور اسکے رنگ میں رنگ جانا اُس کی سب سے بڑی خواہش بن جاتی ہے، پھر اُس راہ کے پتھر بھی اُسے پھول معلوم ہوتے ہیں، بلکہ محبوب کے اشارے پر اور اُس کو خوش کرنے کے لیے جان دینا بھی اسکے واسطے سہل ہو جاتا ہے —

عشق اگر فرماں دہد از جانِ شیریں ہم گزر
عشق محبوب است و مقصود است جاں مقصود نے

غرض "ایمان بالرسولؐ" کے مقصدِ اصلی (اطاعتِ رسُولؐ) کی تکمیل بھی محبّتِ رسُولؐ ہی سے ہوتی ہے، اور یہی منشا ہے اس حدیث کا جس میں فرمایا گیا ہے کہ: "تم میں سے کوئی بھی حقیقی مومن نہیں ہو سکتا، تاوقتیکہ اُس کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد، اور دوسرے تمام انسانوں سے بھی زیادہ مجھ سے محبّت نہ ہو جائے"۔

"لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ" (بخاری و مسلم)

اگر آپ کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچّی محبّت ہو جائے تو کم از کم

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرّت اور آپ کے دکھ درد میں آپ شریک ہو جائیں گے۔ یعنی جن چیزوں سے حضورؐ کو مسرّت اور خوشی ہوا کرتی تھی اُن سے آپ کو خوشی ہونے لگے گی، اور جن چیزوں سے آپ کو رنج اور صدمہ ہوا کرتا تھا اُن سے آپ کو بھی رنج اور صدمہ پہونچنے لگے گا، اور یہ بڑی دولت ہوگی۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے جذبات اور اوصاف و اخلاق کا پرتو بھی آپ پر پڑنے لگے گا، کیونکہ یہ محبت کا لازمی ثمرہ ہے، اور اس طرح آپ اپنی ذاتی خصوصیات اور عادات کو چھوڑتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و شمائل کی برکات کو اپنے میں جذب کرتے جائیں گے، اور یہی اُمتی کا کمال ہے ــــــــ ؎

غنچہ از شاخسارِ مصطفیٰؐ گُل شو از بادِ بہارِ مصطفیٰؐ
از بہارش رنگ و بو باید گرفت بہرہ از خُلقِ او باید گرفت
از مقامِ او اگر دور ایستی
از میانِ معشرِ ما نیستی

(اقبال)

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

کی چند اہم شاہکار تصنیفات

تاریخ دعوت و عزیمت مکمل ۵ حصے
مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین
دریائے کابل سے دریائے یرموک تک
تذکرہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ
تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات
تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب
مغرب سے صاف صاف باتیں
نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں
جب ایمان کی بہار آئی
مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک
مطالعہ قرآن کے مبادی اصول
سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
خواتین اور دین کی خدمت
کاروان ایمان و عزیمت
سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

نبی رحمت مکمل
حدیث کا بنیادی کردار
معرکۂ ایمان و مادیت
پرانے چراغ مکمل دو حصے
ارکان اربعہ
نقوش اقبال
کاروان مدینہ
قادیانیت
تعمیر انسانیت
حدیث پاکستان
اصلاحیات
صحبتے با اہل دل
کاروان زندگی مکمل
مذہب و تمدن
دستور حیات
حیات عبدالحئیؒ
دو متضاد تصویریں
تحفۂ پاکستان
پا جا سراغ زندگی
عالم عربی کا المیہ

ناشر — فضل ربی ندوی —— فون - ۶۱۱۸۱۷
مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد مینشن ۱ کے ۳ ناظم آباد کراچی ۱۸